مجلس شام غریباں

صفوۃ العلماء مولانا سید کلب عابد صاحب رحمت مآب

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ بَلْ جَآئَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُوْنَ۔ وَلَوِاتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآئَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰاتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ (مومنون:۷۱-۷۰)

ارشاد خداوندی ہے کہ اگر حق ان کی خواہشوں کا تابع بن جائے تو زمین وآسمان برباد ہوجائیں۔ یہ عظیم کائنات اپنی سیکڑوں کہکشاؤں، کروڑوں آفتابوں، بے حساب سیاروں کے ساتھ رواں دواں ہے کب سے ہے، خدا ہی جانے، اور کب تک رہے گی، اسی کو معلوم ہے۔ اس عظیم کائنات کے اک ذرّہ بے مقدار، یعنی زمین کے اک مختصر سے حصہ پر، بسنے والی کمزور مخلوق، انسان کے چھوٹے سے دماغ میں یہ گنجائش کہاں کہ وہ عالم کی پنہائیوں کا احساس بھی کرسکے۔ اس کی کمزور عقل اور ناتواں ذہن میں یہ طاقت کہاں کہ کائنات کی وسعتوں کا تصور بھی کرسکے، جو اپنے زیر قدم زمین ہی کے رازوں کو آج تک نہ سمجھ سکا، وہ اس وسیع کائنات کی حدوں کو ہزاروں سال بعد بھی کیا سمجھے گا اور جو حدود ہی کو نہ سمجھ سکے، وہ ان مقاصد اور رازوں کو کیا دریافت کرسکے گا، جو عالم میں چھپے ہوئے ہیں۔

بس وہ یگانہ ویکتا خالق کائنات ہی ہے، جو نظم عالم کا ذمہ دار ہے اسی کے اشارہ پر بڑا کارخانہ قدرت چلتا ہے، اور چلتا رہے گا نہ وہ کسی سے مشورہ لیتا ہے اور نہ اسے کسی کی رائے کی احتیاج ہے، اک اشارہ قدرت پر ہوائیں چلتی ہیں دریا رواں دواں ہیں، آفتاب نکلتا، اور ڈوبتا ہے، ماہتاب اپنی منزلیں طے کرتا ہے، موسم کی آمد ورفت جاری ہے، جو نظم مقرر کردیا ہے، عالم کا ہر ذرہ اس کا پابند ہے، انسان کے لئے نہ تو ممکن ہی ہے کہ ان مصلحتوں کو سمجھ سکے اور نہ اس کو حق ہے کہ مشورہ پیش کرے۔

پھر ہماری متضاد خواہشیں ایک دوسرے سے مختلف تمنائیں، آپس میں ٹکراتے ہوئے مقاصد، کیونکر ممکن ہے کہ ہر ایک کی خواہش پوری ہو، لہٰذا ارشاد ہوا: لَوِاتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآئَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰاتُ وَالْاَرْضُ حق اگر تمہاری خواہشوں کا تابع ہو، تو زمین اور آسمان اور جو جو اس میں ہیں، سب برباد ہوجائیں۔ وہ تمہارا تابع نہ ہو گا تم کو لازم ہے کہ اس کی پیروی کرو، جس طرح نظام تکوینی میں انسانی رائے کو دخل نہیں ہے، اسی طرح نظم عالم قائم کرنے والے نے دنیائے انسانیت کو فتنہ وفساد سے بچانے کے لئے نظام شریعت بھی مقرر فرمایا ہے، جس میں ہر ایک کے حقوق معین، ہر شخص کی زندگی کے لئے اک رفتار، ایک راستہ اور ایک منزل مقرر کی گئی ہے۔ جس طرح لامحدود فضا میں گردش کرنے والے سیارے مقررشدہ راہیں چھوڑ دیں تو ٹکرا ٹکرا کر تباہ ہوجائیں، اسی طرح انسان بھی اپنی راہوں اپنی منزلوں کو ترک کردے تو

اغراض ومقاصد کا ٹکراؤ، فتنہ وفساد کا سبب بن جائے گا۔
آج دنیا کی تباہی وبربادی، بے امنی وفساد کا راز یہی ہے کہ نہ افراد اپنے حقوق اور ذمہ داریوں کا لحاظ کرتے ہیں، اور نہ قومیں، نتیجہ یہ ہے کہ افراد، افراد سے ٹکراتے ہیں، اور قومیں، قوموں سے دست وگریباں ہیں، مگر اسی نفسی نفسی کے عالم میں، غصب حقوق اور ظلم وجور کے اندھیرے میں، کچھ حق کے پرستار صداقت کے علمبردار بھی ہیں جو ہوا وہوس کے بندوں سے ٹکراتے رہتے ہیں۔ یہ حق وصداقت کے نمائندے، دنیا میں حق کا نور پھیلانے کے لئے کوشاں ہیں، دوسری طرف ہوا وہوس انسان کی کسی حد پر نہ رکنے والی خواہشیں ہیں، جو ان حق پرستوں کو زندہ رہنے کا حق بھی دینے پر تیار نہیں، اسی نظریہ کی نمائندگی کرتا ہے۔
یہ مقولہ کہ طاقت حق ہے جو بات بھی کسی جابر وظالم ڈکٹیٹر کی زبان سے نکل جائے وہی حق ہے، اس کی مخالفت باطل، نمائندگان حق کہتے تھے، حق حق ہے، باطل باطل، کسی بڑے سے بڑے قہرمان کے کہنے سے حق باطل اور باطل حق نہیں ہوسکتا، لیکن ہوا وہوس کے بندے مادی طاقت کے پرستار، کبر ونخوت میں چور افراد یہ برداشت کرسکتے تھے کہ ان کی مخالفت میں کوئی آواز بلند ہو، جب وہ چند کمزور بے سہارا لوگوں کو اپنے جبروت سے لاپرواہ، اور اپنی طاقتوں سے بے خوف وخطر ہوکر آواز مخالفت بلند کرتے دیکھتے تھے تو جھنجھلا جھنجھلا کر ظلم وستم کے طوفان اٹھاتے تھے، وہ کہتے تھے ہم اس زبان کو کاٹ دیں گے، اس گلے کو دبا دیں گے اور اس شخص کو کچل دیں گے جو ہماری خواہشوں کو ٹھکرائے گا، یہی آویزش تھی جو باطل پرستوں اور حق کے نمائندوں میں قائم رہی۔
کبھی آدمؑ وشیطان کی صورت میں نمایاں ہوئی، کبھی ہابیل وقابیل کے پیکر میں ظاہر ہوئی، کبھی باطل پرستوں کا حاکم نمرود، اور حق کے پشت پناہ ابراہیمؑ نظر آئے، کبھی یہی آویزش موسیٰ اور فرعون کے ٹکراؤ کی صورت میں نمایاں ہوئی، نمرودیوں نے آگ بھڑکائی، جس کو ابراہیمؑ نے ہنس کر گلزار بنایا۔ فرعون مصر ساحروں کی فوج لے کر آیا، موسیٰ نے عصا کا سہارا لیا، یہی وہ جنگ تھی جس کے ایک فریق رسالتمآب اور دوسرے ابوجہل اور ابولہب تھے۔ ایک طرف ظلم وجور کی طاقتیں مجتمع تھیں، دوسری طرف بے یاری ومددگاری، پتھر مارے جاتے تھے، بائیکاٹ کرایا جاتا تھا، ہر ظلم جو بس میں تھا ڈھایا جاتا تھا۔ دولت کی، سرداری کی، خواہشات نفس پوری کرنے کی لالچ دی جاتی تھی اور ادھر وہ مشہور ومعروف جواب تھا کہ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب رکھ دیا جائے، تو بھی کلمۂ حق سے باز نہ آؤں گا۔
جب دیکھا کہ کوئی افسوں کارگر نہیں ہوتا، تو پھر ظلم وستم کی آندھیاں چلیں، آخر وطن چھوڑنے پر مجبور کیا گیا، مدینہ میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا، کبھی رسولؐ کو بدر میں عبیدہ کی قربانی دینا پڑی، کبھی احد میں حمزہؓ کی ٹکڑے ٹکڑے لاش پر گریہ کرنا پڑا۔ چڑھائیاں ہوتی رہیں، ایک کے بعد دوسرا حملہ اور شدت سے کیا جاتا رہا۔ مگر ہر ظلم کا نتیجہ ظالموں کی امید کے خلاف نکلا۔ حق چمکتا ہی گیا، نکھرتا ہی گیا۔ باطل پرست ظلم کرتے کرتے تھک گئے، حق کے نمائندے ظلم سہتے سہتے نہ تھکے۔ جب مکمل شکست کے آثار ہونے لگے تو باطل نے طریقۂ جنگ بدلا، اب کفر نے اسلام کی نقاب اوڑھی، شرک نے نفاق کا پردہ ڈالا۔ اللہ نے بھی رسولؐ کو خبردار کیا، اے میرے رسولؐ اب تجھے دو محاذوں پر جنگ کرنا ہے جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ کفار سے بھی جنگ کرو، منافقین سے بھی۔
یہ حق وباطل کی لڑائی رسولؐ ہی پر ختم نہیں ہوئی، حق کے نمائندے ظلم وجور کی طاقتوں سے ٹکراتے رہے، ہر شدت

برداشت کرتے رہے مگر کبھی باطل کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ یہاں تک کہ حق کی نمائندگی حسینؑ تک پہنچی، اور باطل کا نمائندہ بن کر یزید تخت حکومت پر بیٹھا اور وہی پرانا مطالبہ، حق کے نمائندے کے سامنے پیش ہوا۔ اے حسینؑ بیعت کرلو۔ امام نے جو جواب دیا، وہ تاریخ کے اوراق میں ثبت ہے اِنَّ مِثْلِیْ لَا یُبَایِعُ مِثْلَهٗ میرے ایسے یزید کے ایسوں کی کبھی بیعت نہیں کرتے امامؑ نے یہ نہیں فرمایا، کہ میں بیعت نہیں کروں گا بلکہ ارشاد فرمایا، کہ جو بھی میرے ایسے ہیں، وہ اس کے ایسوں کی کبھی بیعت نہیں کرتے۔ اسی ایک جملہ میں ہزاروں برس کی داستان پوشیدہ ہے۔ گویا فرما رہے ہیں، اگر آدمؑ نے شیطان سے شکست قبول کی ہوتی، اگر نوحؑ نے کفار کے مطالبہ کو مانا ہوتا، اگر ابراہیمؑ نے نمرودیت کے سامنے سر جھکایا ہوتا، اگر موسیٰ نے فرعون کے مقابلہ میں شکست منظور کی ہوتی، تو میں بھی یزید کے مطالبہ بیعت کو قبول کر لیتا۔

یہ تو ماضی کی داستان ہے مستقبل کی تصویریں بھی اسی آئینہ میں جھلک رہی ہیں، گویا حسینؑ کہہ رہے تھے، کہ میرے ایسا بیعت نہیں کر سکتا، چاہے نانا کا مزار چھوڑنا پڑے، ماں کی لحد سے جدا ہونا ہو، خانۂ خدا میں بھی پناہ نہ ملے اسی جملہ کی تشریح تھی کہ حسینؑ نے ۲۸ / رجب کو مدینہ چھوڑا، ۸ / ذی الحجہ کو مکہ سے، عین حج کے موقعہ پر روانہ ہوئے اب لُو کے تھپیڑے ہیں، عرب کا ریگستان ہے ایک مختصر سا قافلہ اپنے وعدہ گاہ کی طرف تیزی سے روانہ ہے، جن میں ذرا بھی کھوٹ ہے۔ ان کو ہر منزل پر جدا کر رہے ہیں، جو حق پرست ہیں ان کو کبھی شبیہ پیغمبرؐ کو بھیج کر کبھی خط لکھ کر، بلایا جا رہا ہے۔ قافلہ موسم کے شدائد برداشت کرتا بڑھ رہا ہے کہ دو سوار نظر آتے ہیں، جو دریافت کرنے پر کہتے ہیں، مولاؑ کوفہ سے اس وقت چلے تھے، جب آپ کے ایلچی کی مقدس لاش کی کوفہ میں بے حرمتی کی جا رہی تھی۔ قافلہ کچھ اور آگے بڑھا، ایک منزل پر امامؑ نے حکم دیا جتنی مشکیں، چھاگلیں اور ظروف ہیں سب پانی سے بھر لئے جائیں۔ مصلحت اس وقت کھلی جب دشمن کا پیاسا لشکر سد راہ ہوا۔ سرچشمہ جود و سخا سردار نے تاجدار وفا علمدار سے کہا بھیا دشمن کا لشکر ہے تو کیا ہوا، مجھے قیدی بنانے کے ارادہ سے آئے ہیں، تو اس سے کیا، دیکھتے نہیں ہر متنفس پیاس سے بے حال ہے۔ اے بھیا مجھے گوارا نہیں کہ کوئی جاندار پیاس کی تکلیف برداشت کرے پیاسوں کو پانی پلایا گیا۔ حسینؑ نے خود بہ نفس نفیس ایک ایک سے پوچھا کہ اب تو پیاس نہیں رہی۔

صلح کی امام کی طرف سے جو بھی شرطیں پیش کی گئیں، سب رد کی گئیں، مگر راہ خدا میں بڑھنے والوں کو کوئی روک سکتا ہے، کہنیوں اور ہاتھوں سے دشمن کو ہٹاتے ہوئے، راہ رضا میں بڑھنے والے بڑھ رہے تھے، کہ فرس امامؑ کے قدم کو ارض کربلا نے بوسہ دیا، اور حسینؑ کا فرس اس عظیم المرتبت زمین کے احترام میں رکا۔ گھوڑے بدلے گئے، مگر کوئی بھی آگے نہ بڑھا۔ دریافت کرنے پر ایک شخص نے یہ کہہ دیا کہ اس کو زمین کربلا بھی کہتے ہیں۔ امام یہ سنتے ہی گھوڑے سے اترے فرمایا:

وَاللّٰهِ هٰهُنَا مُنَاخُ رِكَابِنَا مَحَطُّ رِحَالِنَا مُسْفَكُ دِمَائِنَا هَتْكُ حُرْمَتِنَا۔ یہی وہ زمین ہے کہ جہاں ہمارے خیمہ لگائے جائیں گے ہمارے خون بہائے جائیں گے، ہمیں ہر طرح ذلیل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

محرم کی دوسری تاریخ تھی، جب حسینی قافلہ نے کربلا میں ڈیرہ ڈالا۔ دن پر دن، راتوں پر راتیں گذرنے لگیں، فوجوں کا ہجوم بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ محرم کی ساتویں آئی مسافروں پر بندش آب کے احکام آگئے۔ روز بروز بچوں کی پیاس بڑھنے لگی۔ نومحرم کو حسینؑ ہر طرف سے دشمنوں میں

گھر گئے۔ نہم محرم کو عصر کا ہنگام تھا کہ فوج ظلم میں حرکت ہوئی، انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر طوفان کی طرح بڑھا، گھوڑوں کے ٹاپوں اور اسلحہ کی جھنکاروں سے میدان کربلا تھرا اٹھا، بہن نے آکر بھائی کو ہوشیار کیا، بھیا کیا آرام کر رہے ہیں، دیکھئے فوجوں نے حملہ کر دیا۔

حسینؑ عباسؑ سے مخاطب ہوئے، یَا اَخِیْ فِدَاکَ نَفْسِیْ اے بھائی تم پر میں قربان ہو جاؤں ذرا ان سے ایک شب کی مہلت مانگو۔ بڑی ردوکد کے بعد ایک رات کی مہلت ملی، اور دنیا نے اسی ایک شب میں حق پرستوں اور باطل نوازوں کے فرق کو دیکھ لیا ایک طرف عبادت تھی، دوسری طرف عیش پرستی، ایک طرف تلاوت قرآن تھی، دوسری طرف رقص وسرور، ایک طرف مناجاتیں تھیں دوسری طرف قہقہے۔ شب اسی طرح بسر ہوئی۔

تاریکیاں چھٹیں، نور پھیلا، سپیدہ سحر یوں نمودار ہوا، جیسے حق کی روشنی باطل کی سیاہی کافور کرتی ہے۔ نمازیوں نے مصلے بچھائے شبیہ پیغمبرؐ نے اذان دی، ابھی عبادت گذار، مصلّوں سے نہ اُٹھے تھے، کہ دشمن کے تیر پیغام جہاد لے کر آئے، بوڑھوں نے کمر کسی، جوان جوش شجاعت میں جھومے، بچوں نے اونچے ہو ہو کر بڑوں کے شانوں سے شانہ ملایا۔ جنگ چھڑی، حق کی بقا کے لئے قربانیاں دی جانے لگیں۔ انصار ختم ہوئے، اعزہ کی باری آئی امامؑ کبھی قاسمؑ کا لاشہ سینے سے چمٹائے ہوئے لائے، کبھی عونؑ ومحمدؑ کا، بہن کو پرسہ دیا، کبھی کڑیل جوان بھائی کی لاش خیمہ تک نہ لا سکے، تو خون بھرا علم، اور چھدی ہوئی مشک لے کر پلٹے علی اکبرؑ کی لاش نہ اٹھی تو بچوں نے سہارا دیا۔ علی اصغرؑ کے گلوئے نازک سے تیر کھینچا، آغوش مادر کی زینت کو سپرد قبر کیا۔

اب حسینؑ میدان میں تنہا ہیں، مگر ہمت میں کمی، ارادے میں سستی نہیں، جبین پر شکن نہیں، واہ میرے بلند ہمت آقا آپ نے ثابت کر دیا کہ حق والا، باطل سے کسی دوسرے کے سہارے کسی مدد کے بھروسے پر ٹکر نہیں لیتا، جوں جوں مصیبتیں بڑھتی جاتی ہیں حسینؑ کا چہرہ کھلتا جاتا ہے۔ تیروں، تلواروں، نیزوں کا بڑھ بڑھ کے استقبال کرتے ہیں، کسی کو پیشانی پر جگہ دی، کس کو قلب وجگر میں کسی کی منزل صدر مطہر ہوا، تو کسی کی پہلوئے مبارک، اسی عالم میں عصر کا ہنگام آیا نمازی نے اشاروں میں نماز شروع کی، عبد ومعبود میں راز ونیاز ہونے لگا حسینؑ محو عبادت تھے کہ سینے پر نیزہ پڑا، نمازی سجدہ شکر کے لئے گھوڑے سے خاک کربلا کی طرف جھکا، عالم میں تلاطم ہوا، ملائکہ میں شور گریہ بلند ہوا رسولؐ تڑپ کے بڑھے، علیؑ مضطربانہ دوڑے فاطمہؑ نے بے قرار ہو کر گود پھیلائی، اے میرے زخمی فرزند، اے خون میں شرابور نونہال، آ آ جلتی ریت پر نہیں، میری آغوش میں سر رکھ۔

چراغ خانہ فاطمہؑ شمر کے کند خنجر سے بجھا، عالم میں تاریکی پھیلی، آندھیاں چلیں، زلزلے آئے، آسمان سے خون برسا، مگر ظالموں کا جذبۂ ظلم کم نہ ہوا، پسر سعد نے کہا سپاہیوں ابھی کمر نہ کھولنا، سوارو ابھی گھوڑے سے نہ اترنا، ظلم کے ترکش میں ایک تیر اور بھی ہے، ابھی مظلوم کے لاشے کی پامالی باقی ہے۔ گھوڑے لاش حسینی کی طرف بڑھے، بے کس بہن فریاد کرتی دوڑی، اے اشقیائے کوفہ وشام، بھائی کی جگہ بہن کو پامال کر دو، مگر بہن روتی رہی، چلاتی رہی، اور بھائی کا لاشہ نظروں کے سامنے پامال ہو گیا، آندھیاں چل کر رکیں، غبار اٹھ کر بیٹھا، زمین لرز کر تھمی، لیکن کیا حق وباطل کی ٹکر ختم ہو گئی، ظلم وانصاف کی لڑائی تمام ہو گئی؟ نہیں اب بھی باقی ہے، صرف انداز جنگ بدل گیا۔ سپاہی بدل گئے، سردار لشکر دوسرا ہو گیا، اب سردار لشکر حسینؑ نہ تھے، زینبؑ تھیں، علمدار سپاہ عباسؑ نہ تھے، ام کلثومؑ تھیں۔ بجائے علی اکبرؑ کے مادر علی اکبرؑ، قاسمؑ کی جگہ کبریٰ، علی اصغرؑ کے

مقام پر سکینہؑ تھیں، اب حفاظت حق کے لئے تلواریں نہیں، دُرے کھانا تھے، تیروں کہ جگہ طمانچے، سر دینے کے بجائے چادریں دی جارہی تھیں، بازو کٹوانے کے عوض بازو میں رسن بندھ رہی تھی جنگ ختم نہیں بلکہ اور شدید تر اور سخت تر ہوگئی۔

جس طرح روز عاشورہ سے قبل شب عاشور تھی، اسی طرح کوفہ اور شام کے بازاروں سے پہلے شام غریباں آئی مگر فرق کے ساتھ، شب عاشور خیمہ تھے، اور اس میں عبادتیں تھیں، آج کی رات جلی قناتیں، اور اس میں بچوں کی فریادیں تھیں، شب عاشور عباسؑ طلایہ پر تھے، اور آج زینبؑ خیمہ کے گرد گشت کررہی ہیں، فوج مظلومیت کی سپہ سالار اعظم، زینب نے اپنے لشکر کا جائزہ لینا شروع کیا، دو بچے کم نظر آئے، بہن سے مخاطب ہوئیں، ام کلثومؑ بھائی کو کیا جواب دوں گی، دو بچے نظر نہیں آتے دونوں بہنیں تلاش میں نکلیں ایک نرم زمین کے قریب دیکھا، دونوں بچے گلوں میں باہیں ڈالے آرام کررہے ہیں، کہا بہن ذرا آہستہ بڑھنا، شاید بچے تھک کر سو گئے ہیں، مگر جب قریب پہنچیں تو دیکھا دونوں بچے اپنے بابا کے پاس جاچکے ہیں، زینبؑ نے کہا ہوگا بھیا دن بھر آپ لاشے اٹھاتے رہے، اب آپ کی بہنیں، دو یتیموں کی لاشیں اٹھاتی ہیں۔ بھیا آپ نے تو علی اکبرؑ کا لاشہ اٹھانے کے لئے بچوں کو آواز بھی دے لی تھی، اے بنی ہاشم کے بچو آؤ بھائی کا جنازہ اٹھاؤ، اب بہن کس کو پکارے، بچے بھی تو اتنا تھک چکے ہیں کہ لاشوں میں ہاتھ لگانے کا دم نہ ہوگا۔

خیمہ میں پھر سے صف ماتم بچھی، ایک کہرام بپا ہوا، مگر زینبؑ کو اب رونے کی فرصت بھی نہ تھی، آنکھوں آنکھوں میں تلاش کیا، تو ان بین کرنے والوں، ماتم کرنے والوں میں، سکینہؑ نظر نہ آئیں، یہ علیؑ کی بیٹی حسینؑ کی بہن کی ہمت تھی کہ دن بھر کی تھکی ماندی، شکستہ دل زینب پھر خیمہ سے حسینؑ کی چہیتی کو تلاش کرنے نکلیں، کبھی دریا کی طرف گئیں، شاید چچا یاد آ گئے ہوں، کبھی گنج شہیداں میں آئیں، شاید بھیا کے پاس چلی گئی ہوں۔ کبھی میدان کی طرف گئیں مگر سکینہؑ کہیں نہ ملیں۔ ایک سوار نے بتایا نشیب سے ایک بچی کے رونے کی آواز سنی ہے، زینبؑ دوڑی ہوئی نشیب کے قریب آئیں، دیکھا بچی ایک لاش بے سر کے سینے پر سر رکھے سو رہی ہے۔

میں کہتا ہوں اے سکینہؑ! یہ رات کا سناٹا، یہ دشت کربلا کا پُر ہول سماں، یہ ہر طرف لاشوں کے ڈھیر اس عالم میں آپ کا خیمہ سے کیسے قدم نکلا، شاید سکینہؑ جواب دیں، کہ تجھے نہیں معلوم جب رات ہوتی ہے، بچے وہ جگہ تلاش کرتے ہیں جہاں سونے کے عادی ہوتے ہیں، میں بابا کے سینے پر سونے کی عادی تھی، جب بابا خیمہ میں نہ ملے، تو میں نے میدان میں، وہ سینہ تلاش کرلیا جس پر سر رکھ کے نیند آ گئی۔

❀❀❀